

سلطانی گواہ

مفتی منیب الرحمن

جب کسی نظام حکومت، گینگ یا فافیا تنظیم کے اندر کا آدمی جو اس کے کرتوتوں میں شامل رہا ہے، کسی وجہ سے نکال باہر کیا جاتا ہے یا کسی مرحلے پر خود نکل آتا ہے، تو وہ پھر احوال دروں بیان کرتا ہے، پردوں میں مستور حقائق کو آشکار کرتا ہے، حالانکہ جبر یا لالچ یا مفادات کے تحت وہ اسی سارے نظم کا حصہ رہا ہوتا ہے، وہ اس سے فائدہ اٹھانے والوں (Beneficiaries) میں شامل رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور ایک ایک کر کے وہ سب پر تھکوتا ہے، اسے ہمارے ہاں قانون کی زبان میں Approver یا سلطانی گواہ کہتے ہیں۔ جو حال نظم کے اندر بیٹھا ہے اور برکات سے مستفید ہو رہا ہے، وہ پاکیزگی کردار کی قسمیں کھاتا ہے، سب کچھ جانتے ہوئے کمال فن کاری، چرب زبانی اور طلاق لسانی سے باطل کا دفاع کر رہا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو رات کو دن، سفید کو سیاہ، عیب کو ہنر، جہل کو علم، ظلم کو عدل، باطل کو حق، ظلمت کو نور اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کا ملکہ نامہ حاصل ہوتا ہے، حفیظ تائب نے کہا تھا:

سچ میرے دور میں جرم ہے، عیب ہے جھوٹ
 ایک اعزاز ہے جہل و بے رہ روی ایک آزار ہے، آگہی یا نبی
 اور حبیب جالب نے اپنے عہد کے تناظر میں کہا تھا:

ظلمت کو ضیاء، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
 پتھر کو گہر، دیوار کو در، کرگس کو ہما کیا لکھنا
 لوگوں کا خیال ہے کہ ضمیر تو یقیناً بے چین ہوتا ہوگا، اندر سے گھٹن، کسک اور چھین بھی محسوس ہوتی ہوگی، اندر سے ٹیسس بھی اٹھتی ہوں گی، لیکن دل پر پتھر رکھ کر یہ باکمال لوگ ظلمت کو ضیاء ثابت کر رہے ہوتے ہیں، بلاشبہ یہ مشکل کام ہے اور یہ کسی ایک جماعت تک محدود نہیں ہے، حسبِ توفیق تمام سیاسی جماعتوں کے کارندے روزانہ سرِ شام میڈیا پر یہی کارِ خیر انجام دے رہے ہوتے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ کسی کی ظلمت غالب ہوتی ہے اور کسی کی نسبتاً کم۔ اسی باطنی کیفیت کو علم النفس کی اصطلاح میں ضمیر کے احساسِ جرم یا Guilty conscience سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ باطنی کشمکش اس صورت میں ہوتی ہے جب ضمیر زندہ ہو، نفسِ لوامہ کی روحانی جس میں حیات کی کوئی رمت باقی ہو، ورنہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (۱) ”ان کے دلوں میں (نفاق) بیماری ہے، سو اللہ تعالیٰ نے (سزا کے طور پر) ان کے مرض میں اضافہ کر دیا ہے، (البقرہ: 10)“ (۲) ”ہرگز نہیں، بلکہ ان کے کرتوتوں کے سبب ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں، (المطففين: 14)“ (۳) ”بے شک ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے، ان کے دل (ودماغ) ہیں، جن سے وہ (حق کو) سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ (آیاتِ عبرت) کو دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ (حق کو) سنتے نہیں، وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی

زیادہ گمراہ، (الاعراف: 179)۔ الغرض یہ خداداد صلاحیتیں بندوں کی اپنی بد عملی کے سبب ماؤف اور معطل ہو جاتی ہیں۔

یہ مشاہد اور مناظر آخرت کا ایک عکس یعنی Action Replay ہیں۔ بالکل ایسے ہی مناظر قیامت میں بھی پیاہوں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں اُن کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے، (یس: 65)۔“ اس آیت میں صرف ہاتھوں اور پیروں کے کلام کرنے کا ذکر ہے، لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ مجرموں کے تمام اعضاء کلام کریں گے اور بیان کریں گے کہ اُن کو کون کون سے جرائم کے ارتکاب میں استعمال کیا گیا۔ اسی طرح نیک لوگوں کے اعضاء اُن کی حسنات کی گواہی دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱) ”جس دن اُن کے کرتوتوں کے بارے میں اُن کے خلاف اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے، (النور: 24)۔“ (۲) ”اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لے جایا جائے گا، پھر اُن کو جمع کیا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے، تو (دنیا میں کیے گئے) اُن کے کرتوتوں کے بارے میں اُن کے خلاف اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں گواہی دیں گی، اور وہ (حیرت سے) اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟، وہ جواب دیں گی: ہمیں اُسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اُسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، (حم السجدہ: 21-19)۔“

ایک طویل حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پھر اس سے کہا جائے گا: ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں! وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا کہ میرے خلاف کون گواہی دے گا! پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران، اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: تم بتاؤ! پھر اس کی ران، اس کا گوشت اور اُس کی ہڈیاں اس کے اعمال کو بیان کریں گے اور یہ معاملہ اس وجہ سے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات سے اس کے خلاف حجت قائم ہو، اور جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے، یہ وہ منافق ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا، (صحیح مسلم: 2968)۔“ اس ساری بحث کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ جس طرح انسان کے اعضاء و جوارح گناہ کے کاموں سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں، لیکن آخرت میں یہی اللہ کی عدالت میں گناہگار کے خلاف سلطانی گواہ بن جائیں گے، بالکل اسی طرح کسی بھی صاحب اختیار کے ماتحت لوگ جو ناجائز کاموں میں اُس کے معاون ہوتے ہیں، اُن کی مثال بھی اعضاء و جوارح (Organs) کی ہے اور مشکل وقت آنے پر یہی معاونین اور مستفیدین صاحب اختیار کے خلاف سلطانی گواہ بن جاتے ہیں اور انسان اس طرح کے مناظر و تقاضا وقتاً مشاہدہ کرتا رہتا ہے، لیکن اس سے سبق حاصل نہیں کرتا، کیا یہ سامانِ عبرت نہیں ہے؟۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن سب کا جاننے والا ہے، وہ قادرِ مطلق بھی ہے، ”وہ اپنے کسی فعل پر کسی کو جواب دہ نہیں ہے، سب اُسی کو جواب دہ ہیں، (الانبیاء: 23)۔“، تو پھر وہ اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کیوں نہیں فرمائے گا؟۔ مفسرین کرام نے اس کا جواب دیا ہے کہ آخرت کی عدالت اس لیے لگے گی تاکہ عدل کے تقاضے بھی پورے ہوں، کوئی شیطانی وسوسہ ذہن کو پراگندہ نہ کرے، جیسا کہ غالب نے کہا:

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پہ ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

وہاں بھی شیطانی چیلے اپنے گرو سے براءت کا اعلان کریں گے لیکن: ”اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت“۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، (وہاں) وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مددگار، جس دن اُن کے چہرے آگ میں پلٹ دیے جائیں گے، وہ کہیں گے: ”کاش ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی“ اور وہ کہیں گے: ”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا، سو انہوں نے ہمیں (راہِ راست سے) گمراہ کر دیا، اے ہمارے رب! ان کو (ہم سے) دگنا عذاب دے اور اُن پر بڑی لعنت فرما، (الاحزاب: 68-63)۔“

پس اہلِ خرد کے لیے سامانِ عبرت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے، سو! ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟، (القم: 17)۔“ کاش کہ آخرت کے ان مثالی مناظر کو دیکھ کر ہم عبرت پکڑیں اور اپنی عاقبت کو سنوارنے کی کوئی تدبیر کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”سوائے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو، (الحشر: 2)۔“ لیکن اس کے لیے سر کی آنکھ کا نہیں بلکہ دل کی آنکھ یعنی چشمِ بصیرت کا واہونا ضروری ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں میں (دھڑکنے والے) دل اندھے ہو جاتے ہیں، (الحج: 46)۔“

انسان ہمیشہ یا تو خود غرضی کا شکار رہا یا خوش فہمی میں مبتلا رہا، اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی کامیابی اور ناکامی کے زائچے خود بناتے ہیں، خود ہی اپنی کامیابیوں کے دعوے کرتے ہیں اور ہمیشہ اسی فریب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس نفسیاتی کمزوری کو بیان فرمایا: ”بے شک منافق (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں، حالانکہ اللہ ہی اُن کو اُن کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے، (النساء: 142)۔“ اور فرمایا: ”وہ اپنے گمان میں اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں اور (حقیقت میں) وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے، (البقرہ: 9)۔“

انسان کی خوش فہمی کی کیفیت کو قرآن کریم نے ان کلمات میں بیان فرمایا ہے: ”انسان (اپنے لیے) خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اُسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اُس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ ضرور یہ کہے گا کہ میں ہر صورت اس کا حق دار تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر (بفرض محال) میں اپنے رب کی طرف لوٹا بھی گیا تو بے شک اُس کے پاس میرے لیے خیر ہی خیر ہوگی، (حم السجدہ: 50)۔“ اسی طرح اپنی دولت پر ناز کرنے والے پچھلی امتوں کے ایک شخص کے بارے میں، جو باغات کی دولت سے مالا مال تھا، قرآن نے فرمایا: ”اُس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا: ”میں تم سے زیادہ مال دار ہوں اور میرے پاس افرادی قوت بھی زیادہ ہے“ اور وہ جنت میں داخل ہوا دریاں حالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا، وہ کہنے لگا: مجھے گمان نہیں کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ مجھے قیامت کے قائم ہونے پر یقین ہے اور اگر (بافرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹا (بھی) گیا تو میں وہاں اس سے بہتر ٹھکانا پاؤں گا۔“ سو بر خود راستی (Righteousness Self) کا زعم اس عہد کا ہی نفسانی مرض نہیں ہے، بلکہ انسان ہر دور میں اس کا شکار رہا ہے۔ کاش کہ انسان اصابتِ نفس اور عُجبِ نفس کے مرض سے نجات پائے اور اپنے احتساب کے لیے آمادہ ہو جائے تو شاید دنیا اور عاقبت کی بربادی سے بچ جائے۔